صدائے منبر

ایمان بالرسل کی ضرورت اور اس کی بنیاد

مولانا محمد یونس
خطیب جامعہ سلفیہ

لقدمن الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين (آل عمران:164)

اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے انسانوں میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرمایا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت فرماتا ہے، نجاست وآلودگی سے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس نبی کی بعثت سے قبل یہ لوگ واضح گمراہی میں تھے۔

جب ہم اس کائنات پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ایک ذرہ سے لیکر نظام شمسی کے ایک بڑے کرّے تک ہر ایک کی حرکت مقرر ہے۔ سب ایک نظام کے پابند ہیں اور یہ نظام نہایت مربوط ہے۔ مٹی کا ایک ذرہ اور آسمان پر چمکنے والے سورج اور چاند سب اس راہ عمل کے پابند ہیں جو خالق نے انہیں عطا کیا ہے کسی کو مجال نہیں کہ ایک لحہ کیلئے ذرہ بھر بھی اس راہ عمل سے انحراف کر سکے۔ نہ سورج کو یہ اختیار ہے کہ اپنی مرضی سے دن رات میں کمی بیشی کر سکے یا طلوع وغروب میں تقدیم وتاخیر کر سکے نہ چاند کو اختیار ہے کہ اپنی منازل سے ہٹ کر کوئی راستہ اختیار کر سکے نہ ہواؤں اور آندھیوں کو اختیار ہے کہ اپنی حرکت، رفتار اور مقام ووقت کے تعین میں اپنی مرضی کر سکیں بلکہ ہر چیز کو ایک نظام عمل دے کر اسے اس نظام کا پابند بنا دیا گیا ہے کہ سر مو بھی اس سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔

اس ساری کائنات میں صرف ایک انسان ایسا نظر آتا ہے جسے ارادہ وعمل میں کچھ اختیار حاصل ہے یعنی مکمل طور پر پابند ومجبور نہیں اپنی پسند اور چاہت کے ساتھ جو راستہ چاہے اختیار کر سکتا ہے۔

انا هديناه السبيل اما شاكرا واما كفورا (الدهر:۳)

جس کی بات چاہے مانے اور جس کی بات چاہے رد کر دے۔ خواہ کسی کی اطاعت کرے یا نافرمانی کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے تسخیر عناصر کی قدرت بھی عطا کی گئی ہے۔ لیکن وہ کائنات کی کسی ایک بھی چیز کی تخلیق یا کائناتی نظام کی حرکت وعمل پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ وہ اپنی ترقی کے عروج کی انتہا پر جا کر بھی یہ اختیار حاصل نہیں کر سکتا کہ دن اور رات کو اپنی مرضی سے چھوٹا یا بڑا کر دے سورج یا نظام شمسی کے کسی جزو کو اپنی مرضی کا تابع کر لے۔ اس انسان کو تو اپنے وجود کی بقا وفنا پر بھی ذرا سا اختیار نہیں ہے۔ نہ زندگی اس کے اختیار میں ہے نہ موت۔ نہ صحت وبیماری نہ غربت و امارت، اسی لحاظ سے نہایت کمزور اور بے اختیار ہے۔ یہ سب کچھ انسان کو سمجھانے کیلئے ہے کہ تم کسی کی مخلوق ہو تمہارا کوئی خالق ہے اگر تجھے ارادہ وعمل کا کوئی اختیار حاصل ہے تو یہ خالق کا عطا کردہ ہے خالق اگر چاہتا تو دیگر مخلوقات کی طرح تجھے کوئی بھی اختیار نہ دیتا۔ تو اے انسان، خالق نے دیگر مخلوقات کو اپنے مقاصد تخلیق حاصل کرنے کیلئے ایک راہ عمل کا پابند بنا دیا ہے۔ تیرا بھی کوئی مقصد تخلیق ہے اور مقصدِ تخلیق کو حاصل کرنے کیلئے یقیناً خالق نے کوئی راہ عمل متعین کی ہوگی۔ اسی راہ پہ چل کر تو اپنے مقصد تخلیق کو حاصل کر سکتا ہے۔ اپنے خالق کو راضی کر سکتا ہے اس کے غیض وغضب سے بچ سکتا ہے اب ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اپنے لئے اپنے خالق کی متعین کردہ راہ عمل معلوم کرے مگر یہ چیز نہ اسے اپنی ذہانت سے معلوم ہو سکتی ہے نہ فہم و فراست سے، نہ عقل ودانش سے، اس لئے رب ذوالجلال نے انسان کو اس کی تخلیق کے مقصد سے آگاہ کرنے اور اس مقصد کے حصول کیلئے راہ عمل بتانے کیلئے ان کی رشد وہدایت کیلئے انبیاء ورسول مبعوث فرمائے۔ انسان کے سوا ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ اس کا مقصد تخلیق ہے اور اس نے کس طرح اس مقصد کو حاصل کرنا ہے:

ربنا الذي اعطى كل شيء خلقه ثم هدى (طه:۵۰)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کرنے کے بعد اسے اپنے کام پر لگا دیا۔ حتیٰ کہ انسان کے جسم کے اعضاء کو اپنی اپنی حرکت اور کام کی نوعیت سے آگاہ کر کے اسے مصروف عمل کر دیا۔ لیکن انسان کو اس کے مقصد تخلیق سے آگاہ کرنے اور اس کے حصول کیلئے راہ عمل بتانے کیلئے آسمان سے کتابیں اور

صحیفے نازل کئے ان آسمانی ہدایت اور راہ عمل کو اپنانے کیلئے انسان کو ایک اسوہ کی ضرورت تھی جو عملی طور پر ان ہدایات کو اپنا کر اس راہ عمل پر چل کر انسان کو دکھاتا کہ یہ راہ عمل ناقابل عمل نہیں بلکہ قابل عمل ہے۔ اور ساتھ ایک ایسے مربی کی بھی ضرورت تھی جو ان ہدایات کے مطابق انسانوں کی ایک جماعت کی تربیت کر کے عالم انسانیت کے سامنے واضح کر دیتا کہ اچھے انسان وہی ہوں گے جو خالق کی ہدایت اور اس کی عطا کردہ راہ عمل کو اختیار کریں گے۔ اور ایسے میں انسانوں سے وجود میں آنے والا معاشرہ ایک اچھا معاشرہ ہوگا۔ جو پائیدار امن وسکون کا ضامن ہوگا۔

اس لئے خالق کائنات نے صرف آسمانی صحیفوں کے نازل کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ انبیاء و رسل مبعوث فرمائے۔

یہ انسان کی ضرورت تھی کہ خالق کی طرف سے اس کی راہنمائی کی جاتی۔ اسے بتایا جاتا کہ خالق کے حقوق کیا ہیں اور مخلوق کی کیا حدود اور ذمہ داریاں ہیں۔ اس مقصد کیلئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں کی بعثت کا سلسلہ شروع کیا۔ جنہوں نے وحی الٰہی کے ساتھ انسانوں کو تعلیم دی ان کی تربیت کی۔ کیونکہ وحی الٰہی کے بغیر انسان علم الٰہی کو حاصل نہیں کر سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ اسلام جب وحی الٰہی سے سرفراز نہیں ہوئے تھے تو ان کے سامنے صحیح راہ عمل نہ تھا۔ **فلما افل قال لئن لم یهدنی ربی لاکونن من القوم الضالین (انعام: ۷۷)**

خود راہ عمل تلاش کرنا چاہا تھک ہار کر یہ حقیقت سب کے سامنے واضح کر دی کہ اگر اللہ تعالیٰ رہنمائی نہ فرماتے تو لوگ کبھی بھی صحیح راستہ کی ہدایت حاصل نہ کر پاتے۔

رب کائنات کی ہدایات اور راہ عمل کے بغیر کوئی بھی شخص صحیح راستہ کا تعین نہیں کر سکتا ہے۔ انسان کیلئے صحیح راستہ کیا ہے جو اس کی کامیابی کا ضامن ہو یہ سمجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہدایات نازل کرنے کے ساتھ ساتھ رسول اور نبی بھیجے تاکہ یہ اس کی ہدایات کو اپنے آپ پر نافذ کر کے لوگوں کو دعوت دیں کہ لوگو تمہارے خالق نے تمہیں یہ ہدایات دے کر اس راہ عمل کا تعین کیا ہے جس طرح میں نے اس کا ایک بندہ بن کر اس کی ہدایات کو اختیار کیا ہے تم بھی اسی راہ عمل کو اختیار کرو اسی میں تمہاری کامیابی ہے۔

انسان کی پیدائش سے ہی بعثت انبیاء کا سلسلہ شروع ہوگیا جو سید الانبیاء خاتم المرسلین کی بعثت پر اختتام پذیر ہوا اور:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

کہہ کر بتا دیا اب دین مکمل ہوگیا ہے۔ یہی دین تمہارے لئے راہ عمل ہے۔ اب اس دین میں کوئی کمی وبیشی نہیں ہو سکتی۔ جس طرح یہ دین دینِ کامل ہے اسی طرح یہ آخری نبی انسان کامل ہے۔ جس طرح یہ دین پہلے انبیاء کے لائے ہوئے دین کی خوبیاں اپنے اندر لئے ہوئے ہیں اسی طرح یہ آخری نبی پہلے تمام انبیاء اور رسولوں کی تمام خوبیوں اور اوصاف کا حامل ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہم دارند تو تنہا داری

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک آنے والے تمام انبیاء اور رسل کے اوصاف حمیدہ اس نبی رحمت میں یکجا کر دیئے گئے ہیں۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد اس کائنات کی سب سے افضل سب سے اعلیٰ سب سے مقدس اور بزرگ ترین ہستی سرکار دو عالم سید وُلدِ آدم شافعِ محشر حبیب کبریا کی ہے آپ کا انتخاب رب ذوالجلال نے خود فرمایا۔ جو حسب ونسب اور شرف ومنزلت کے لحاظ سے ایک بہترین انتخاب تھا۔ پھر:

لقد من الله علی المومنین

کہہ کر آپ کی بعثت کو احسان عظیم قرار دیا اس انعام خداوندی اور احسان عظیم کی جن لوگوں نے قدر کی آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تعلیمات وہدایات کو اختیار کیا وہ اقوام عالم میں خیر الامم بن گئے۔

جو شخص آپ کی شخصیت کو باعث برکت نہیں سمجھتا آپ کی لائی ہوئی تعلیمات کو ذریعہ نجات نہیں سمجھتا وہ مومن نہیں ہے۔ جو آپ کی پیدائش پر خوش نہیں ہوتا وہ بھی مومن نہیں ہے۔ اس طرح وہ جو آپ کی لائی ہوئی ہدایت کو تسلیم نہیں کرتا اسے بھی مومن کہلوانے کا حق نہیں ہے۔ نبی اس لئے نہیں آتے کہ ان کی پیدائش پر جشن منائے جائیں نبی اس لئے آئے تاکہ وہ لوگوں کو گمراہی سے نکال کر ہدایت کی جانب لائیں انہیں انسانوں کی غلامی سے نکال کر اپنے حقیقی آقا کی غلامی میں لائیں۔ کہ جس کی غلامی ہمارے لئے باعث اعزاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے اور ہر قوم میں اپنے نبی اور رسول بھیجے جنہوں نے اپنی امتوں کو شرک و گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر صراط مستقیم کی

روشن شاہراہ پر گامزن کیا۔ جن قوموں نے اپنے انبیاء ورسل کی قدر کی ان کی لائی ہوئی راہ عمل کو اختیار کیا وہ اپنے دور کی بہترین قوم بن گئے۔ لیکن جن لوگوں نے انبیاء ورسل سے اپنا تعلق صحیح بنیادوں پر قائم نہ کیا وہ ناکام ونامراد ہوئے۔

قرآن نے ایسے لوگوں کا **مغضوب علیھم** اور **ضالین** کے نام سے تذکرہ کیا ہے۔ ہمیں غور کرنا چاہئے کہ یہ قومیں نبیوں کی بعثت کے باوجود کیوں گمراہ ہوئیں کیوں ان پر غضب الٰہی نازل ہوا؟

انبیاء پر ایمان لانے والی دو اقوام یہود و نصاریٰ کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے۔ ان دونوں قوموں نے جب اپنے رسولوں کی تعلیمات کو اختیار کیا تو اپنے دور کی افضل ترین قوم بن گئے۔ لیکن جب انبیاء کے ساتھ ان کے تعلق میں بگاڑ پیدا ہوا اور افراط وتفریط کا شکار ہوئے تو قیامت تک کیلئے مغضوب قوم اور عیسائی بھٹکی ہوئی قوم قرار پائے اور ہمیں تلقین کی گئی کہ ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا کیا کرو:

اھدنا الصراط المستقیم. صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین

کہ اے اللہ ہمیں وہ راستہ دکھا اس راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما جو راستہ تیرے انبیاء اور ان کے ماننے والوں کا تھا۔ یہود ونصاریٰ کے راستے پر ہمیں نہ چلانا کہ یہ گمراہ اور غضب الٰہی کا شکار قومیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان قوموں نے انبیاء سے اپنے تعلق میں بگاڑ پیدا کیا یہودیوں نے انبیاء کرام کو عام انسان کے مرتبہ سے بھی نیچے گرا دیا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر الزام لگایا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو بہن بنا کر شاہ مصر کے محل میں بھیجا اور اس سے انعامات حاصل کئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے شراب نوشی کی اور اپنی اولاد کے سامنے برہنہ ہوگئے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں سے بدکاری کی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے باپ اسحٰق علیہ السلام کو دھوکہ دیا۔ اور انبیاء کے قتل کے درپے ہوئے۔ نعوذ باللہ من ذالک

نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انسانوں کے مقام سے اٹھا کر اللہ کے مقام پر پہنچا دیا۔ انہیں اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ اس طرح یہ دونوں قومیں نبی سے تعلق میں افراط وتفریط کا شکار ہو گئیں۔

قرآن نے ایک اور قوم کا تذکرہ کیا ہے جن کے پاس نبی آئے مگر انہوں نے نبی کی صحیح معرفت حاصل نہ کی اور دولت ایمان سے محروم رہے۔

یہ قوم قریش مکہ تھے جن کے پاس انبیاء کے سردار، فخر کائنات مجسم رحمت تشریف لائے مگر وہ بدنصیب، بدنصیب ہی رہے۔ خوش نصیبی ان کا مقدر نہ بن سکی۔ قرآن نے ان کی گمراہی کے اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے:

بل عجبوا ان جاء ھم منذر منھم فقال الکافرون ھذاشئی عجیب (ق:۲)

انہوں نے ایک انسان کے رسول بننے پر تعجب کیا۔ اور کہا:

أبعث اللہ بشرا رسولا (بنی اسرائیل:۹۴)

وقالوا ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق .... **انظر کیف ضربوا لک الامثال فضلوا فلا یستطیعون سبیلا** (فرقان:۷تا۹)

ان مشرکین مکہ نے کہا کہ یہ کیسے رسول ہو سکتا ہے؟ جو کھاتا پیتا ہے بازاروں میں نکلتا ہے۔ کسی فرشتے کو اس کا باڈی گارڈ بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ مل کر لوگوں کو ڈراتا۔ اس کو دولت کے خزانے کیوں نہیں ملے اسے کھانے پینے کیلئے کوئی باغ کیوں نہیں دے دیا گیا۔ ان ظالم لوگوں نے عوام الناس کو یہ کہہ کر دور کرنا چاہا کہ تم تو ایک سحر زدہ شخص کی اتباع کر رہے ہو۔ اے نبی دیکھو یہ لوگ آپ کے بارہ میں کیسی کیسی باتیں کر رہے ہیں یہ آپ کی پہچان میں بھٹک گئے ہیں۔ اور جو نبی کے پہچان میں بھٹک جاتے ہیں انہیں راہ عمل پر چلنے کی توفیق نہیں ملتی۔

قرآن نے ان کی گمراہی کا سبب واضح کردیا ہے:

ذالک بانہ کانت تاتیھم رسلھم بالبینات فقالوا ابشر یھدوننا فکفروا وتولوا (التغابن:۶)

ان کے پاس رسول روشن نشانیاں لے کر آئے مگر ان لوگوں نے کہا کہ ایک انسان کیسے ہمارا ھادی وراہنما بن سکتا ہے بس اس وجہ سے وہ کفر کے راستہ پر چل نکلے۔ انہوں نے سمجھا کہ خدا کی خدائی میں رسول کی مرضی بھی چلتی ہے۔ اس لئے طرح طرح کے مطالبہ کئے:

وقالوا لن نومن لک حتی تفجرلنا من الارض ینبوعا (بنی اسرائیل)

ان لوگوں نے کہا کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے پہلے ہمارے صحراء میں پانی کے چشمے جاری کرو یا کھجوروں اور انگوروں کا باغ لاؤ اس میں

نہریں جاری کرو۔ یا پھر آسمان سے وہ عذاب نازل کرو جس کی تم دھمکی دیتے رہے ہو یا اپنے اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔ تیرا تو سونے کا محل ہونا چاہئے۔ تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں سے ایک کتاب لے کر آؤ جسے ہم پڑھیں پھر ہم ایمان لائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان اعتراضات کے جواب میں فرمایا کہ تم نبی کی پہچان میں غلطی کر رہے ہو۔

وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم من اھل القری (یوسف:۱۰۹)

ہم نے تو آج تک انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا ہے۔ فرشتوں یا کسی اور مخلوق کو نبی یا رسول نہیں بنایا:

قل لو کان فی الارض ملئکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا (بنی اسرائیل:۹۵)

اگر زمین میں انسانوں کے بجائے فرشتے ہوتے تو ہم ضرور کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔

قرآن نے واشگاف الفاظ میں بتادیا کہ رسول انسانوں میں سے منتخب کئے جاتے ہیں۔

وما جعلناھم جسدا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین (انبیاء:۸)

رسول مافوق الفطرت نہیں ہوتے وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں اور کوئی نبی یا رسول اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہا۔

پھر قرآن نے بزبان رسول اعلان فرمادیا کہ رسول کیا ہوتا ہے:

قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ (اعراف:۱۸۸)

کہ اے نبی آپ واضح کر دیجئے کہ میں تو اپنی ذات کیلئے بھی کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا جو کرتا ہے اللہ ہی کرتا ہے اگر میں عالم الغیب ہوتا تو ساری بھلائیاں سمیٹ لیتا پھر مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔

مگر تم جانتے ہو کہ:

غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ زخمی ہوئے آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے اسی غزوہ میں آپ کے پیارے چچا سید الشھداء حضرت حمزہ شہید ہوئے۔

آپ کی پیاری بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال آپ کے ہاتھوں میں ہوا۔ آپ کے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کی روح آپ کے بازوؤں میں قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ آپ کے تمام بیٹے اور حضرت فاطمہ کے سوا تمام بیٹیاں آپ کے سامنے فوت ہوتی ہیں اگر آپ مختار کل ہوتے تو کبھی ایسا نہ ہوتا۔ آپ کی چہیتی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگا۔ اگر عالم الغیب ہوتے تو ایک ماہ تک شدید پریشان کیوں رہتے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کی براءت کا اعلان نہ فرمایا آپ ﷺ کچھ نہ جان سکے۔

آپ نے اپنی امت کو رسول کے مقام سے روشناس کردیا کہ رسول بشر ہی ہوتا ہے مگر اس کا تعلق براہ راست اللہ سے ہوتا ہے۔ **وما ارسلنا قبلک الا رجالا نوحی الیھم**

وہ عالم الغیب نہیں ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ جس قدر اور جب چاہے غیب کی باتوں سے اپنے نبی کو مطلع فرماتا ہے۔

عالم الغیب فلا یظھر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول (جن:۲۶)

عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے وہ اپنے منتخب رسول کو جس قدر چاہتا ہے غیب کی باتوں سے مطلع فرمادیتا ہے۔

نبی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوتا نفع و نقصان کا مالک صرف ایک اللہ ہے۔

ایک مومن کا نبی کے ساتھ تعلق کیسا ہونا چاہئے؟

سب سے پہلے نبی کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ معرفت حاصل نہ ہو تو نہ نبی کی محبت دل میں پیدا ہوسکتی ہے نہ ایمان۔ نبی پر ایمان ضروری ہے لیکن ایمان کیلئے صحیح معرفت ضروری ہے۔ نبی کی صحیح پہچان حاصل ہونے کے بعد ایمان مضبوط و مستحکم ہوگا۔ جس کے نتیجہ میں لازماً نبی کے ساتھ محبت پیدا ہوگی۔ سچی محبت کی صورت میں ایک مومن ضرور محبت کے تقاضوں کو ادا کرے گا اور محبت کے دیگر تقاضوں میں اہم تقاضا اطاعت و اتباع ہے۔ ایک مومن اگر اس انداز میں نبی کے ساتھ تعلق قائم کرے گا تو وہ دنیا وآخرت میں سرخرو ہوگا۔

نبی کی تعلیمات اب بھی موجود ہیں اس نبی کو ماننے والے اور محبت کا دعویٰ کرنے والے سواد اعظم کی صورت میں موجود ہیں لیکن پھر بھی وہ زمانہ میں رسوا ہیں خس وخاشاک سے بھی ہلکے ہیں۔ جو کبھی دشمن کو للکارتے تھے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے تھے۔ جن کی دشمن پر ہیبت طاری ہوا کرتی تھی آج وہ دشمن کے اشارے پر ناچ رہے ہیں۔

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کی طرح ہم نے اپنے نبی کے ساتھ تعلق میں افراط وتفریط پیدا کرلی ہے۔ اگر ہم اپنی عظمت رفتہ کو واپس لانا چاہتے ہیں تو پھر قرون اولیٰ کے اسلاف کی طرح نبی کے ساتھ تعلق استوار کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر ہم نہ دنیا میں کوئی مقام ومرتبہ حاصل کرسکتے ہیں اور نہ آخرت میں سرخرو ہوسکتے ہیں۔